بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

چین کا دورہ کرکے پاکستان واپس آنے والے لوگوں نے بالعموم اس ملک کی ترقی کے جو تاثرات نجی محفلوں، تحریروں اور تقریروں میں بیان کیے ہیں اُن سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ چین نے اشتراکیت کو اپنانے کے بعد ہر میدان میں غیر معمولی ترقی کی ہے۔ چین کی یہ ترقی مستقبل میں کونسا رُخ اختیار کرے گی اور اُس کی یہ قوت و طاقت کن کن محاذوں پر کونسے مقاصد کے حصول کے لیے صرف ہو گی، اس کے بارے میں ابھی کوئی چیز بھی یقین اور وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ چین جیسا مضمحل اور کمزور ملک، جو کل تک محوِ خواب تھا، آج دفعتاً بیدار ہو کر مصروفِ عمل ہو گیا ہے اور اُس نے چند سالوں میں ہی ترقی کے حیرت انگیز کارنامے پیش کیے ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ اسے اشتراکیت کا اعجاز سمجھیں اور یہ دعویٰ کریں کہ اِس پارس سے جو مسِ خام بھی چھو گیا وہ فوراً سونا بن گیا لیکن یہ تاریخ سے ناواقفیت اور حقیقت سے اغماض ہے۔ ماضی اور حال میں دنیا کے سینے پر بعض ایسی قومیں اُبھری ہیں جن کے نظریات کا اشتراکی معتقدات سے کوئی دُور کا تعلق بھی نہ کبھی تھا اور نہ اب ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے اپنے عہد میں غیر معمولی ترقی کی۔ انھوں نے چینیوں کی طرح قوت و طاقت کو اپنا غلام بنایا اور اپنے افکار و تصورات سے پوری دنیا میں ہلچل پیدا کردی۔ لیکن جلد ہی انہیں زوال آگیا۔ اس بنا پر یہ کہنا کہ ترقی صرف اشتراکیت کے ساتھ وابستہ ہے صحیح نہیں۔ دُور نہ جائیے ابھی چند سال پیشتر جرمنی کے حالات پر غور کیجیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ قیصر کی ستم رسیدہ اور آفت زدہ قوم آمریت کا قلادہ گلے میں پہن کر سرگرمِ عمل ہوتی ہے اور ایک مرتبہ

پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیتی ہے حالانکہ اُس کے نظریات اور اشتراکی افکار کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے۔

پھر یہ بھی دیکھیے کہ آج بھی دنیا میں بے شمار رہبرانِ قوم ایسے ہیں جو اشتراکیت کے نظریۂ مساوات اور اس کے تصورِ فلاح کو اپنانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کانفرسوں اور اخباری بیانات میں اس کی مدح سرائی میں بھی زبان کے جوہر دکھاتے ہیں، لیکن اُن کی قوموں میں اشتراکیت کا درخت کسی طرح مثمر نہیں ہوتا بلکہ وہاں انسانیت سرمایہ دارانہ نظام کے مصائب برداشت کرتی رہتی ہے۔ بھارت کے پنڈت نہرو اور اسی قبیل کے دوسرے لیڈر اشتراکیت کے ساتھ کتنی غیر معمولی وابستگی کا اظہار کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہاں چین کی طرح کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ مصر کے کرنل ناصر اپنے آپ کو اشتمالیت کا کتنا فدائی ظاہر کرتے ہیں، لیکن مصر میں آج اسی طرح غربت، افلاس اور طبقاتی کشمکش موجود ہے جو فاروق کے وقت میں تھی۔ مصری عوام کی معاشی حالت پہلے سے بدتر ہے اور کرنل صاحب کی نعرہ بازی کسی جہت سے بھی مؤثر ثابت نہیں ہو رہی۔

میری ان گزارشات کا مقصد یہ نہیں کہ میرے نزدیک کسی قوم کی آئیڈیالوجی یا اُس کا نصب العین کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اچھی صحت مند، انقلاب انگیز اور حیات آفریں آئیڈیالوجی واقعی اپنے اندر بے پناہ تاثیر رکھتی ہے اور اس کے مقابلے میں ناقص آئیڈیالوجی اُس کے علمبرداروں کے اندر کئی قسم کے ذہنی اور جذباتی عوارض پیدا کرتی ہے۔ میری گذارش کا اصل مدعا یہ ہے کہ آئیڈیالوجی خواہ کیسی ہی ہو، اگر اُسے کوئی قوم دل و جان سے اپنا لے اور اُسے دنیا میں سربلند کرنے کا عزم کرے تو پھر اُس کے اندر زندگی کی حرارت اور ولولہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ناقص آئیڈیالوجی کو اپنانے کے بعد اُس کے مضر اثرات فوراً ظاہر ہونے لگیں اور قوم اسے جلد ترک کر دے جیسے جرمن قوم نے ہماری آنکھوں کے سامنے فاشزم کو خیرباد کہا ہے۔ کیونکہ نسلی تفوق کے جس غلط فلسفے سے اس آئیڈیالوجی

کا خمیر تیار ہوا تھا اُس سے جرمن قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس لیے اُس نے جلد ہی اُس سے اپنی جان چھڑالی۔ لیکن جہاں تک زندگی کی حرکت و حرارت کا تعلق ہے اس ناقص آئیڈیالوجی نے بھی جرمن قوم پر وہی اثرات مرتب کیے جو اشتراکیت نے چین اور روس میں مرتب کیے ہیں۔ ہمیں اِس وقت کسی آئیڈیالوجی کے اچھے اور بُرے ہونے سے کوئی بحث نہیں۔ اُس کے مفید اور مضر اثرات سے کوئی سروکار نہیں، ہمیں یہاں، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب دنیا کی کوئی قوم کسی نظریۂ زندگی یا مقصدِ حیات کو دل و جان سے اپناتی ہے اور اُسے زندگی کی غایت الغایات سمجھ کر اُس کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جاتی ہے تو پھر لازمی طور پر اُس کے اندر قوت و توانائی پیدا ہوتی ہے۔ قوم کی حرکت و حرارت کے لیے کسی آئیڈیالوجی کا اچھا یا بُرا ہونا اتنا اثر انگیز نہیں ہوتا جتنا کہ اُسے اپنانے میں خلوص اور اُسے سربلند کرنے کے لیے قربانی کا جذبہ مؤثر ہوتا ہے۔

تاریخ کے اوراق اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جب کسی قوم نے کسی نظریۂ حیات کو پورے خلوص کے ساتھ اپنایا تو پھر اُس کے اندر زندگی کی غیر معمولی حرکت و حرارت پیدا ہوئی۔ اُس نے جس نسبت سے اُس کے ساتھ وابستگی پیدا کی اُسی تناسب سے اس کے افکار میں یکسوئی پیدا ہوئی اور اس کے عمل میں جوش رچتا ہوا۔ نصب العین کے عشق نے اس کے دل و دماغ کو جھنجھوڑا، اس کے مُردہ احساسات میں خونِ زندگی دوڑایا، اُس کی مقناطیسی کشش نے اس کی منتشر قوتوں کو سمیٹا، ان کے درمیان ایک معنوی ربط اور مقصدی ترتیب پیدا کی اور انہیں تعمیر و ترقی پر لگانے کا بے پناہ جذبہ پیدا کیا۔ مقصد کے ساتھ محبت اور نصب العین کا عشق وہ طاقت ہے جو راکھ کے ڈھیر کو چنگاریوں میں بدل دیتا ہے، جس کی توانائی سے بنجر زمینیں اور چٹیل میدان چمن زار بن جاتے ہیں۔ اگر قوموں کے عروج و زوال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نصب العین کے ساتھ مخلصانہ وابستگی اور اُسے اپنانے کی دُھن اور سربلند دیکھنے کی لگن ہی کسی قوم کی ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔ چشمِ فلک نے آج تک کسی ایسی قوم کو نہیں دیکھا جس نے بے مقصد رہ کر دنیا میں عزت و احترام کا کوئی مقام حاصل کیا ہو۔

جب کوئی قوم کسی نصب العین کو اپنا مقصدِ حیات اور اس کے حصول کو اپنی جدوجہد کا ہدفِ مقصود ٹھہراتی ہے تو اس کی زندگی میں ایک تنظیم اور یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس نصب العین اور اس کے حصول کو اپنی زندگی کی غایتِ اُولیٰ بنا کر پھر اُسی کے مطابق اپنی حیات کے دوسرے شعبوں کو ترتیب دیتی ہے۔ اسی نصب العین کی روشنی میں وہ کائنات کی مختلف چیزوں، تعلقات کے مختلف رشتوں اور فکر و عمل کے مختلف شعبوں کی قدر و قیمت متعین کرتی ہے۔ اسی نصب العین سے اس کے قلب و نگاہ کے زاویے ایک خاص رُخ اختیار کرتے ہیں، اور اس کے پسند و ناپسند اور خوب و ناخوب کے پیمانے ایک مخصوص سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ پھر نصب العین کی کشش افراد کے درمیان محبت و اخوت کے تعلقات قائم کرتی ہے اور انہیں راہ کی ساری مشکلات سے بے نیاز کر کے منزلِ مقصود کو حاصل کرنے پر سرگرمِ عمل کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نصب العین کا عشق وہ مے ہے جس کے نشے میں انسان زندگی کے سارے مصائب اور آلام بھول جاتا ہے اور اس راہ میں اُسے جو مشکلات اور دشواریاں پیش آتی ہیں انہیں بخوشی گوارا کرتا ہے۔

بعض حضرات کو اکثر یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اسلام کی صورت میں ایک نہایت روشن اور تابناک نصب العین موجود ہے، لیکن ان کی زندگیوں میں تو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کے بارے میں اطمینان کا اظہار کیا جا سکے۔ نظم و ضبط ان کے ہاں مفقود ہے، محبت و اخوت کے رشتے ان کے ہاں ناپید ہیں کسی تخلیقی قوت کا ان کے ہاں نام و نشان نہیں ملتا۔ الغرض ان کے ہاں ہر اُس شے کا فقدان ہے جسے دیکھ کر اس قوم کے مستقبل کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کی جا سکے۔ یُوں محسوس ہوتا ہے کہ انسانوں کا یہ انبوہ کثیر جسے آج کل امتِ مسلمہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، مادر پدر آزاد لوگوں کی بھیڑ ہے جن کے سامنے کوئی منزلِ مقصود نہیں، جن کی زندگیوں کے اندر کوئی ترتیب و تنظیم نہیں، جن کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں، جن کا کوئی اصول و اخلاق نہیں، اور یہ ہجوم یونہی بے مقصد، سخت افراتفری کے عالم میں بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ غیر مسلم قومیں ایک طرف کھڑی اس کا تماشہ

دیکھ رہی ہیں اور وہ بھیڑوں کے اس گلّے سے اپنی ضرورت کے مطابق جس وقت چاہتی ہیں مطلوبہ تعداد میں بھیڑیں الگ کر لیتی ہیں۔ جب ان کے دل میں ان کا رُخ موڑنے کی خواہش ہوتی ہے تو وہ تھوڑی سی عیاری کے ساتھ انہیں دوسری سمتوں پر ڈال دیتی ہیں۔ اور اگر یہ بھیڑیں ذرا سر اٹھا کر چلنے کی جسارت کرتی ہیں تو انہیں آپس ہی میں لڑا دیا جاتا ہے، یا بھیڑوں کے لباس میں ان کے اندر چند بھیڑیے چھوڑ دیئے جاتے ہیں جو انہیں برباد کر دیتے ہیں۔

کسی نصب العین کے ساتھ وابستگی یا کسی مقصد سے محبت کا معیار ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ کوئی فرد یا قوم اس کے حصُول کے لیے کتنی بڑی قربانی کر سکتی ہے۔ یہ قربانی اپنی خواہشات وتمناؤں کی بھی ہو سکتی ہے، اپنی اغراض اور اپنے ذاتی مفاد کی بھی، اپنے اوقات اور اپنی محنتوں کی بھی، اپنے مال ومتاع کی بھی اور سب سے بڑھ کر اپنی زندگی کی بھی۔ کسی فرد یا قوم کو جتنا کوئی مقصد عزیز ہوگا اتنی ہی بڑی قربانی وہ اس کے لیے دینے پر آمادہ ہوگی۔ نہ صرف آمادہ ہوگی بلکہ اسے دے کر بڑی مسرور ہوگی اور اسے اپنی حیاتِ مستعار کا سب سے قیمتی اثاثہ تصوّر کرے گی۔ اِس ایثار پر اُس کے اندر محرومی کا کوئی احساس نہ پیدا ہوگا بلکہ وہ اسے اپنی سب سے بڑی کامیابی خیال کرے گی۔ وہ اس مقدس فرض کو کوئی بوجھ سمجھ کر طوعاً وکرہاً سرانجام نہ دے گی بلکہ اسے پوری خوشدلی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچائے گی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان روپے پیسے، مال ومتاع، تعلقات ومفادات کی قربانی توکیا جان تک کو نچھاور کرنے میں ایک سکون محسوس کرتا ہے اور تختۂ دار پر لٹک جانے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ زبان سے کسی آئیڈیالوجی کے ساتھ وابستگی کا دعویٰ تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ وابستگی اسی صورت میں موثر ہوتی ہے جب اس کے دعویدار اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ یہ آئیڈیالوجی ہی اُن کی متاعِ حیات اور غایت الغایات ہے اور اس پر زندگی اور اس کے ساز وسامان اور اس کے عیش وآرام کو بآسانی قربان کیا جا سکتا ہے۔